محمد عتیق صدیقی:احوال وآثار

Muhammad Atique Siddiqi: Life and works

Mr. Muhammad Amin

PhD Scholar, Dept. of Mass Communication, Federal Urdu University of Arts, Science & Technology, Karachi

Email: ameenhashim09@gmail.com *ORCID: https://orcid.org/0000-0003-2814-1510*

ABSTRACT:

Atique Siddiqi is an eminent personality and known as an important figure in the history of Urdu journalism, but unfortunately as compare to his contemporaries he deprived of the legitimate place which he deserves. However, regardless of reward and praise he performed such outstanding deeds that his name will bright for the rest of the world. He came to Lucknow in his youth and started participating in political activities. During this period that his mind became acquainted with the principles of Communism and Socialism. His father was a staunch congressman. So naturally his inclination was towards the congress.

He served at Chief Whip's office, Indian Air Force and Indian Army's public relations department as a radio programmer in Baghdad, Tehran and Cairo during Second World War. In Baghdad and Cairo he also edited newspapers Watan and Hindustan.

He compiled many books on journalism and other literary topics. His artciels were published in esteemed literary journals of India.

Keywords:

Atique Siddiqi's life, Journalistic & literary contribution, Books, Articles.

برصغیر میں صحافت کا ادراک اور صحافتی تاریخ نویسی کا سلسلہ برسوں پر محیط ہے۔ ''جامِ جہاں نما'' برصغیر کا پہلا اردو اخبار ـــــ اس اخبار کا بانی ایک فارسی داں ہندو ہری ہر دت اور ایڈیٹر منشی سدا سکھ لعل تھے۔ گربچن چندن اپنی کتاب(1) میں نیشنل آرکائیوز آف انڈیا کی ایک گائیڈ سے اخذ کردہ اقتباس درج کرتے ہیں:

> ''کلکتہ سے 8 /مارچ 1822ء کو (یہ تاریخ بعد کی تحقیق سے 27 /مارچ 1822ء معلوم ہوئی ہے) جاری ہونے والا ''جامِ جہاں نما''، 'ہندوستانی' یا 'اردو' کا اوّلین ہفت روزہ اخبار تھا جو اپنے آٹھویں شمارے سے فارسی اور اردو زبانوں میں چھپنے لگا۔''(2)

بعد ازاں ''دہلی اردو اخبار'' مولوی محمد باقر نے 1836ء میں دِلّی سے جاری کیا۔ پروفیسر خواجہ احمد فاروقی مذکورہ اخبار کی اشاعت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''یہ اخبار کب جاری ہوا، اس کے متعلق مختلف بیانات ہیں۔ مارگریٹا بارنس نے لکھا ہے کہ وہ 1838ء میں شروع ہوا۔ پروفیسر اشتیاق حسین قریشی نے اس کی تاریخِ اجرا 1837ء قرار دی ہے۔ محمد حسین آزادؔ نے لکھا ہے 1835ء سے دفاتر سرکاری بھی اردو ہونے شروع ہوئے۔ چند سال کے بعد کل دفتروں میں اردو زبان ہوگئی۔ اسی سنہ میں اخباروں کو آزادی حاصل ہوئی۔ 1836ء میں اردو کا اخبار دِلّی میں جاری ہوا۔ اور یہ اس زبان میں پہلا اخبار تھا کہ میرے والدِ مرحوم کے قلم سے نکلا۔''[3]

تاہم ''جامِ جہاں نما'' پر مفصل تحقیق کے بعد ''دہلی اردو اخبار'' کو اردو کا پہلا اخبار قرار دینا۔ محمد حسین آزاد کی ایک تحقیقی فروگزاشت کے سوا کچھ نہیں۔ متذکرہ دونوں اخبارات برصغیر میں اردو صحافت کی ارتقائی کڑیاں ہیں۔ دوسری جانب 'اخترِ شاہنشاہی'[4] جو کہ سیّد محمد اشرف کی تالیف ہے، اردو میں شائع ہونے والی پہلی اہم کتاب ہے جس کے مطالعے سے برصغیر میں شائع ہونے والے ابتدائی اردو، فارسی اور عربی اخبارات کے بارے میں تفصیلی کوائف اور بیش بہا معلومات تک قاری کی رسائی ہوتی ہے۔ مشمولہ مواد میں نام، مالک و مدیرِ اخبار، تعدادِ صفحات، مقامِ طبع، دورانیہ (یومیہ، ہفت روزہ، پندرہ روزہ)، نام مطبع، تعارفِ اخبار، خبروں کی نوعیت اور قیمت وغیرہ۔ گربچن چندن اس نادر المعلومات کتاب کے بارے میں تحریر کرتے ہیں:

> ''ہندوستان کے اردو اخباروں کی سب سے پہلی غیر سرکاری ڈائریکٹری ''اخترِ شاہنشاہی'' 1888ء میں لکھنؤ سے شائع ہوئی۔''[5]

اسی تناظر میں ایک اور کتاب ''اخبار نویسوں کے حالات''[6] زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی جو کہ محمد الدین فوقؔ کی تالیف ہے۔ اس باتصویر کتاب میں صوبۂ پنجاب، سرحد، جنوبی ہند اور صوبۂ متحدہ کے چند اہم اردو اخبارات و رسائل کی معلومات نیز مدیرانِ اخبار کے خودنوشتہ حالاتِ زندگی اور ان کی ''اسکیچ'' کے طرز پر تیار تصاویر اس کتاب کی ندرت اور اہمیت میں اضافہ کرتے ہیں۔

تدوینِ تاریخِ صحافت کا سفر مزید آگے بڑھتا ہے۔ ایک اور شخصیت جس نے بحیثیت مدوّنِ تاریخِ صحافت اپنی تحقیق اور کاوش سے میدانِ صحافت میں ایک نئی تاریخ رقم کی، مولانا امداد صابری مؤلفہ ''تاریخِ صحافتِ اردو''۔ آپ

16/اکتوبر 1914ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔(7) آپ کی وقیع "تاریخ صحافتِ اردو" 5 جلدوں پر مشتمل ہے۔ جلد اوّل 1953ء میں شائع ہوئی۔ اس جلد میں منو کے دور سے غدر کے قبل تک کی خبر رسانی کے طریقے اور اخبارات اور اُن کے مدیران کی تاریخ لکھی گئی ہے۔ جلد دوم میں 1858ءتا1875ء کے عرصے میں شائع ہونے والے اخبارات کی تاریخ، ایڈیٹرس کے سوانح اور ان ادوار کے ادبی، سیاسی و سماجی حالات درج ہیں۔ جلد سوم 1876ء سے 1900ء تک کے اخبارات کی تاریخ و مدیرانِ اخبارات کے سوانح اور تاریخی و سیاسی حالات پر مبنی ہے۔ جلد چہارم 1901ءتا1910ء کے عرصے میں چھپنے والے اخبارات و رسائل کی تاریخ، ایڈیٹروں کے حالاتِ زندگی اور اس دور کے تمدنی، معاشی اور نادر ادبی واقعات کا احاطہ کرتی ہے۔ اور جلد پنجم 1911ء سے 1930ء تک کے اخبارات و رسائل کی تاریخ، مدیران کے حالاتِ زندگی اور اس تمام عرصے کے تعلیمی، سماجی اور سیاسی واقعات پر مشتمل ہے۔ ان تمام مجلدات کی ضخامت تقریباً 3800 صفحات بنتی ہے۔ جلد اوّل، دوم اور سوم میں قدیم اخبارات کے بلاکس اور مدیرانِ اخبارات کی تصاویر ملتی ہیں۔ تاہم جلد چہارم اور پنجم تصاویر سے عاری ہیں۔ متذکرہ وقیع کتب وہ بنیادی اور اہم مآخذ ہیں جن کے عمیق مطالعے سے برصغیر میں شائع ہونے والے اردو اخبارات کی تاریخ، اخبار نویسوں کے سوانحی حالات، اوّلین چھاپہ خانوں کی تاریخ، ڈیکلیریشن کے مسائل اور برطانوی راج میں اخبارات کی پالیسیوں جیسے اہم موضوعات سے نہ صرف آگاہی حاصل ہوتی ہے بلکہ بعض حقائق طشت از بام ہوتے ہیں جو اُس زمانے میں زبان بندی کے باعث وقت کی گرد میں نظروں سے اوجھل ہوگئے تھے۔

تاریخ نویسی بنیادی طور پر حقائق کے معروضی تجزیے، غیر جانب داری سے دستیاب تمام مواد سے کامل استفادے اور ذمے داری سے اخذ کردہ نتائج کو من و عن پیش کرنے اور مستقبل کے مؤرّخ و محقق کے لیے وقف کر دینے کا عمل ہے۔

اردو میں صحافتی تاریخ نویسی (عہدِ انگلشیہ) پر نظر کی جائے تو اپنے معاصرین میں محمد عتیق صدیقی ایک باریک بیں محقق کے طور پر تاریخِ صحافت کے اُفق پر ایک منفرد اور نمایاں مقام پر نظر آتے ہیں۔ آپ کی صحافتی، ادبی اور تاریخی خدمات، گراں قدر تصنیفات و تالیفات نیز مؤقر رسائل و جرائد میں شائع ہونے والے مضامین کو صحافتی اور ادبی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ آپ کی معرکہ آراء تالیفات میں:

۱۔ ہندوستانی اخبار نویسی (کمپنی کے عہد میں) (1957ء)

۲۔ گل کرسٹ اور اُس کا عہد (1960ء)

۳۔ صوبہ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات (1848ء۔1853ء)(1962ء)

۴۔ *Origins of Modern Hindustani Literature* (1963ء)

۵۔ اٹھارہ سو ستاون: اخبار اور دستاویزیں (1966ء)

قابلِ ذکر ہیں۔ متذکرہ کتب کا بنیادی مواد نیشنل آرکائیوز آف انڈیا کے خزانۂ دستاویزات سے کشید کیا گیا ہے۔ حکومتِ ہند سے تحریری اجازت ملنے کے بعد عتیق صدیقی ایک عرصے تک نہایت جستجو اور عرق ریزی سے برطانوی عہد کے نادر و نایاب مگر منتشر ذخیرے کھنگالتے رہے۔ نیز بے شمار فائلوں، مسودات اور دستاویزات کی ورق گردانی کے بعد ان کتب کے لیے مطلوبہ مواد فراہم کرنے میں کامیاب ہو سکے۔ عتیق صدیقی کا اپنے معاصرین میں ایک یہ بھی اختصاص ہے کہ انھیں نیشنل آرکائیوز آف انڈیا کے ریکارڈ سے بالواسطہ استفادہ کرنے کا موقع میسر آیا۔

محمد عتیق صدیقی نہ صرف ایک کہنہ مشق صحافی تھے بلکہ ساتھ ہی وہ ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک بھی تھے۔ آپ کے تمام تصنیفی اور تالیفی کام کو دیکھا جائے تو بیّن اُن کی شخصیت کے ان کے علمی سرمائے میں بھی حیرت انگیز تنوع پایا جاتا ہے۔ صحافت اور دیگر موضوعات پر آپ نے کئی کتب تحریر کیں جس کی زمانی ترتیب ذیل میں پیش کی جاتی ہے:

۱۔ ہندوستانی اخبار نویسی (کمپنی کے عہد میں)، دسمبر 1957ء، انجمن ترقی اردو (ہند)، علی گڑھ

۲۔ گل کرسٹ اور اُس کا عہد، 1960ء، ایضاً

۳۔ صوبۂ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات (1848ء۔1853ء)، (1962ء)، ایضاً

۴۔ *Origins of Modern Hindustani Literature*، 1963ء، نیا کتاب گھر (علی گڑھ)

۵۔ اٹھارہ سو ستاون اخبار اور دستاویزیں، مئی 1966ء، مکتبۂ شاہراہ، اردو بازار دہلی 6

۶۔ شیخ عبداللہ، کشمیر اور ہم، نومبر 1967ء، ایضاً

۷۔ غالب اور ابوالکلام، فروری 1969، ایضاً

۸۔ سویٹ روس (جواہر لال نہرو)، نومبر 1969ء، نہرو انسٹی ٹیوٹ آف ڈماکریٹیک سوشلزم، نئی دہلی

۹۔ باپ کے خط بیٹی کے نام (جواہر لال نہرو)، دسمبر 1969ء، ایضًا

۱۰۔ بنگلہ دیش میں بارہ دن، مئی 1972ء، قومی ایکتا ٹرسٹ، نئی دِلّی

۱۱۔ یادوں کے سائے (خود نوشت)، 1974ء، مکتبۂ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی

۱۲۔ نگارشات (محمد مجیب)، اگست 1974ء، ایضاً

۱۳۔ آئینۂ ابوالکلام آزاد (مجموعۂ مقالات)، نومبر 1976ء، انجمن ترقی اردو (ہند)، شاخ دہلی

۱۴۔ سر سیّد احمد خان: ایک سیاسی مطالعہ، 1977ء، مکتبۂ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی

۱۵۔ بابا شیخ فرید (گربچن سنگھ طالب)، 1978ء، نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا، نئی دِلّی

۱۶۔ اقبال جادو گر ہندی نژاد، اگست 1980ء، مکتبۂ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی

۱۷۔ بیگم حسرت موہانی اور اُن کے خطوط، نومبر 1981ء، ایضاً

۱۸۔ حسرت موہانی قیدِ فرنگ میں، 1982ء، انجمن ترقّی اردو ہند، اردو گھر، راؤز ایونیو، نئی دہلی

۱۹۔ تاریخِ ٹیپو سلطان (محبّ الحسن)، 1982ء، ترقّی اردو بیورو، نئی دہلی

۲۰۔ قدیم ہندوستان

۲۱۔ خان بابا (خان عبد الغفار خان)

۲۲۔ خان بابا (پیارے لال)

۲۳۔ گلشنِ نو بہار (مہاراجا سندھیا کا سفر نامہ)

۲۴۔ نیا کشمیر: تین رُخ

۲۵۔ Dr. Sprenger: The Orientalist

علاوہ ازیں برصغیر کے معروف اخبارات و رسائل جیسے ماہوار رسالہ ''آجکل'' (دہلی)، ہفت روزہ اخبار ''ہماری زبان'' (دہلی)، ماہ نامہ ''نگار'' (لکھنؤ)، سہ ماہی ''صبح'' (دہلی)، ماہ نامہ ''اردو ادب'' (دہلی) اور ماہ نامہ ''نیا دور'' (لکھنؤ) وغیرہ میں عتیق صدیقی کے صحافتی، تاریخی، سیاسی اور ادبی مضامین شائع ہوئے جس سے اُس دور کے سیاسی اور سماجی حالات سمجھنے کا شعور نیز میدانِ صحافت کے ارتقا، اثر و نفوذ اور درجہ بہ درجہ ہونے والی تبدیلیوں کے بارے میں آگہی اور بیش بہا معلومات تک رسائی حاصل ہوتی ہے۔ پاکستان اور ہندوستان کی جامعات میں حصول اعلیٰ اسناد کے لیے اردو صحافت پر لکھے جانے والے تحقیقی مقالوں، ریسرچ جرنلز اور صحافتی تاریخ پر لکھی جانے والی تقریباً تمام کتب میں عتیق صدیقی کی تالیفات کا ذکر اور حوالے ملتے ہیں جنھیں پیشِ نظر رکھ کے برطانوی دورِ حکومت میں اردو صحافت کی صورتِ حال، اخبارات اور رسائل و جرائد کے ارتقا سے متعلق معلومات اور نتائج اخذ کیے جا سکتے ہیں۔

پیدائش اور بچپن

محمد عتیق صدیقی 23 / ستمبر 1912ء([8]) کو قصبہ ردولی، ضلع بارہ بنکی (اتر پردیش) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام اعجاز رسول اور والدہ کا لطیف النسا تھا۔ آپ کا آبائی مکان ردولی کے محلہ سالار میں سنہری مسجد کے قریب واقع تھا۔ اس میں اب مدرسہ تبلیغ القرآن قائم ہے۔

اعجاز رسول کے ہاں صرف دو بیٹے ہوئے؛ محمد عتیق اور چھوٹے محمد خلیق جو اُن سے عمر میں نو برس چھوٹے تھے۔ دونوں بھائیوں کا بچپن انتہائی ناز و نعم میں گزرا اور ان کی دیکھ ریکھ میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ ہوا۔

خاندانی پس منظر

عتیق صدیقی کی پیدائش ردولی کے ایک معزز اور دین دار خاندان میں ہوئی۔ جہاں برسوں سے تعلقہ داری چلی آرہی تھی۔ علمِ روحانی اور تصوف کا طریق عام تھا۔ آپ کے خاندان میں پیری مریدی اور صوفیائے کرام سے عقیدت کا رواج عرصے سے جاری تھا۔ نیز علم و فضل، تقویٰ اور پرہیز گاری کا درس بھی لوگوں کے مزاج کا حصہ تھا۔
عتیق صدیقی کے سنِ شعور تک خاندان کا وہ پرانا دور تعلقہ داری اور آسودہ حالی تو نہ رہی تھی۔ ہاں مگر ایک متوسط حال گھرانے کی کیفیت ضرور باقی تھی۔ شیخ صدیقی کے اس خانوادے کی رشتے داریاں ردولی میں خاندان حضرت شیخ احمد عبدالحق ردولوی اور قدوائی خاندان میں ہوتی رہی ہیں۔

ابتدائی تعلیم

عتیق صدیقی جب لکھنے پڑھنے کی عمر کو پہنچے تو ناظرہ قرآن شریف اور فاروقی نصاب کی ابتدائی کتب اس دور کے رواج کے موجب گھر ہی پر پڑھیں۔ درجہ چہارم اور پنجم کی تکمیل ردولی ہی کے ایک مکتب میں ہوئی جہاں عربی، اردو اور انگریزی سے ذہنی اور علمی پختگی کے مدارج طے ہوئے۔

ردولی سے گیا(9) (بہار) منتقلی

عتیق صدیقی کی مزید تعلیم اور ردولی سے گیا (بہار) منتقلی کا احوال نثار احمد فاروقی اپنے سوانحی مضمون میں بیان کرتے ہیں کہ:

> ''عتیق صدیقی کو اُن کے والد کے خالہ زاد بھائی شاہ مصطفی احمد نے گود لے لیا تھا، وہ گیا (بہار) میں رہتے تھے۔ وہ انھیں اپنے ساتھ گیا لے گئے۔ یہاں انھوں نے ہائی اسکول تک تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد کسی سبب سے تعلیم کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی استعداد پختہ ہو چکی تھی جس کی گواہی ان کی تصانیف دے رہی ہیں۔ تعلیم آگے جاری نہ رکھنے کا سبب وہ خود یہ بتاتے تھے کہ اس دور کی سیاست میں سر گرم حصہ لینے لگے تھے۔''(10)

والد کا انتقال

عتیق صدیقی اوائل عمری میں ہی شفقتِ پدرانہ سے محروم ہو گئے تھے۔ ان کے والد اعجاز رسول 1919ء میں اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ والد کے انتقال کے بعد گھر کے وہ پہلے جیسے حالات نہ رہے۔ کئی ماہ تک آپ کا تعلیمی سلسلہ موقوف رہا، بعد ازاں وہ گیا (بہار) چلے گئے، آپ نے انٹر گیا سے مکمل کیا، کچھ حالات موافق نہ ہونے اور کچھ اس وقت کی سیاسی ہلچل میں دلچسپی کے باعث آپ انٹر کے بعد اپنی تعلیم مزید آگے نہ بڑھا سکے اور کچھ عرصے بعد لکھنؤ آ گئے۔

ورودِ لکھنؤ اور سیاست میں دلچسپی

نئے شہر کی سیاسی فضا نے نوجوان عتیق صدیقی کو اپنے سحر میں جکڑ لیا۔ آپ کے شب و روز سیاسی سرگرمیوں اور کروٹ کروٹ بدلتی صورتِ حال کے مشاہدے اور اثرات کے زیرِ اثر گزرنے لگے۔ ہندوستان ان دنوں سیاسی اکھاڑہ بنا ہوا تھا۔ دوسری جنگِ عظیم کے اثرات عوام و خواص پر نمایاں تھے۔

عتیق صدیقی کی سیاست میں دلچسپی اور کانگریس کی طرف میلان فطری تھا کیونکہ ان کے والد اعجاز رسول نیشنلسٹ تھے۔ اپنی خودنوشت میں والد کے ذہنی رجحان کے بارے میں تحریر کرتے ہیں کہ:

> ”قوم پرستی مجھے وراثتاً ملی ہے۔ میرے باپ کٹر نیشنلسٹ تھے۔ مرتے وقت بھی انھوں نے وصیت کی تھی کہ کھدر میں انھیں کفنایا جائے۔“(11)

خود عتیق صدیقی کا ذہن کمیونزم، سوشلزم اور سیاست سے ان سب کے ربط و اثرات کا جائزہ لے رہا تھا۔ اور اسی کیفیت کے باعث آپ مضطرب بھی رہے کہ کہیں کمیونزم کے اس سفر میں ان کے اندر کا کانگریسی کہیں دم تو نہیں توڑ رہا۔ اپنی آپ بیتی میں اس ذہنی خلجان کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ:

> ”1937ء میں کانگریس کی سرگرمیوں میں مجھے زیادہ کشش محسوس ہوئی۔ اس کی بڑی وجہ شاید یہ تھی کہ کانگریس کا باضابطہ ممبر بننے سے پہلے سوشلزم کی مبادیات سے میرا ذہن آشنا ہو چکا تھا۔ چنانچہ جلد ہی میں بڑی حد تک کمیونسٹ بن گیا۔ لیکن میرا ذہن بنیادی طور پر کانگریسی ہی رہا۔ ایک زمانے میں مجھے اپنے متعلق یہ شبہ بھی ہو چلا تھا کہ کمیونزم نے میری کانگریسی رگ کو دبا لیا ہے لیکن آگے چل کر میرا یہ گمان غلط ثابت ہوا۔“(12)

پہلی ملازمت

سال 1937ء میں جب اتر پردیش میں کانگریس کی حکومت بنی تو اس وقت کے کانگریسی کمیونسٹ گروپ کے رہنما رفیع احمد قدوائی نے عتیق صدیقی کو لکھنؤ سیکریٹریٹ میں چیف وہپس آفس (Chief Whips Office) کا انچارج مقرر کرادیا۔ گویا آپ کی باقاعدہ ملازمت کا آغاز کانگریس کی اولین صوبائی اسمبلی کی ملازمت سے ہوا۔ چیف وہپس آفس میں کارِ منصبی سرانجام دیتے ہوئے ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ ایک ناخوش گوار واقعے کی پاداش میں اس کم مدتی ملازمت کا خاتمہ ہو گیا۔

کانگریس ماس کانٹیکٹ کی مختصر ملازمت

چیف وہپس آفس کی انچارجی کا سفر تمام ہوا تو رفیع احمد قدوائی نے مہاویر تیاگی سے کہہ کر انھیں یوپی کانگریس کمیٹی کے ماس کانٹیکٹ ڈپارٹمنٹ (Mass Contact Department) روانہ کیا جہاں اردو میں خبر نامہ نکالنے کے لیے ایک آدمی کی ضرورت تھی۔ عتیق صدیقی نے سال ڈیڑھ سال اس نوکری کو بخوبی نبھایا۔ 'پر طبیعت ادھر نہیں آتی' والا معاملہ رہا، بالآخر استعفیٰ دے دیا۔

جیل یاترا

جنوری 1940ء میں لکھنؤ پیپر مل میں زبردست ہڑتال ہوئی۔ پولیس نے ہڑتالی مزدوروں کی گرفتاری کا سلسلہ اگلے روز سے ہی شروع کر دیا تھا۔ مگر یہ گرفتاریاں نتیجہ خیز نہ رہیں۔ ہڑتال کے ایک ہفتے بعد پولیس نے مزدوروں کے ساتھ ساتھ ان کے لیڈروں کو بھی پکڑنا شروع کر دیا۔ ہڑتالی کیمپ پر پولیس نے دھاوا بول دیا اور عتیق صدیقی کو ساتھیوں سمیت بلا وارنٹ گرفتار کر کے لکھنؤ سینٹرل جیل لے گئے۔

جیل کے قواعد وضوابط کے مطابق ان کو معہ دیگر ہڑتالیوں کے اگلے روز جیل سپرنٹنڈنٹ کے روبرو پیش کر دیا گیا تو کرنل صاحب نے انھیں دیکھتے ہی سوال کیا کہ "آپ یہاں کیسے ؟" کانگریسی دورِ وزارت میں اُن کی کئی ملاقاتیں رفیع احمد قدوائی کے توسط سے ہو چکی تھیں۔ ایک پیش کار نے گرفتار شدگان کی فہرست سپرنٹنڈنٹ کے ملاحظے کے لیے اُن کے سامنے رکھی اور کہا کہ لکھنؤ پیپر مل کے ہڑتالیوں کے سلسلے میں یہ بھی گرفتار ہوئے ہیں۔ بعد از ملاحظہ فہرست حکم صادر ہوا کہ عتیق صدیقی اور شفیق نقوی کو "بی کلاس" میں رکھا جائے۔ تاہم دونوں لیڈران نے اس تجویز کو مسترد کر دیا کہ باقی مزدور ساتھی تنہا رہ جاتے اور ان کے حوصلے پست ہونے کا امکان بڑھ جاتا۔ ایک درخواست بہر حال اُن کی جانب سے کی گئی کہ ہمارے ساتھیوں کو عادی مجرموں کے ساتھ نہ رکھا جائے بلکہ ایک علیحدہ بارک میں جگہ دی جائے۔ اس درخواست کو منظور کر لیا گیا۔

لکھنؤ سینٹرل جیل سے علمی زندگی کا آغاز

جس طرح اتفاقی حادثات بعض اوقات انسان کی زندگی میں یکسر تبدیلی کا باعث بنتے ہیں، ٹھیک اسی طرح اتفاقات کبھی کبھار کسی کے لیے کامل (Turning Point) بھی بن جاتے ہیں۔ عتیق صدیقی کی جیل یاترا نے ان کے اندر چھپے مصنف اور ادیب کو نہ صرف دریافت کیا بلکہ انھیں خود ان صلاحیتوں کا پہلی بار ادراک دوران پابندِ سلاسل ہی ہوا۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''میری یہ جیل یاترا میرے لیے بے حد کارآمد ثابت ہوئی۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ لکھنؤ سینٹرل جیل ہی سے میری علمی وادبی زندگی کا باضابطہ آغاز ہوا۔''(13)

عتیق صدیقی اپنی ادبی زندگی کے آغاز کا محرک ایک انگریزی کتاب کی تلخیص کو قرار دیتے ہیں جو بقول ان کے چالیس دن کے چلے کے دوران وجود میں آئی تھی، وہ بیان کرتے ہیں:

> '' گرفتاری کے وقت میرے ہاتھ میں ایک فلسطینی عیسائی جارج انطونیس کی ضخیم کتاب The Arab Awakening (بیداریٔ عرب) تھی جو اسی روز میرے ہاتھ آئی تھی۔ جیل کی فرصت سے فائدہ اٹھا کر میں نے اس کی تلخیص کر ڈالی۔''(14)

جیل کی قید سے آزاد ہوئے تو اس تلخیص کا مسودہ لاہور کے ایک ادبی رسالے کے ایڈیٹر کو بھجوایا مگر ایڈیٹر صاحب نے مسودے کی تعریف میں تو زمین وآسمان کے قلابے ملا دیے، نہیں کی تو صرف معاوضے کی بات نہیں کی۔

''نگار'' و نیازؔ سے ملاقات

اسی اثنا میں ان کے ایک دوست نے انھیں رسالہ ''نگار'' جس کے نامور ایڈیٹر نیازؔ فتح پوری تھے، میں مذکورہ تلخیص شائع کرانے کی رائے دی۔ یہ مشورہ انھیں پسند آیا اور اس طرح ''نگار'' و نیازؔ سے دوستی کا باقاعدہ آغاز ہو گیا۔ ''نگار'' اس دور کے مؤقر اور سنجیدہ رسائل میں شمار کیا جاتا تھا اور کسی نوآموز کا محض ''نگار'' میں چھپ جانا ہی اس کی توقیر اور مقبولیت میں اضافے کا باعث سمجھا جاتا تھا۔ ''نگار'' میں مضامین کی اشاعت نے عتیق صدیقی کو تخلیق اور خوداعتمادی کی ڈگر پر گامزن کر دیا۔

بعد ازاں یہی تلخیص (بیداریٔ عرب) جو دورانِ جیل تخلیق ہوئی تھی، ماہ نامہ ''نگار''، لکھنؤ کے مئی، جون اور جولائی 1940ء کے شماروں میں تین اقساط میں شائع ہوئی اور مضامین کے نام بالترتیب کچھ یوں تھے (1) عرب کی

سیاسی بیداری (1800ءتا1914ء)(2) عربوں کی سیاسی بیداری (1914ءتا1918ء)اور(3) عربوں کی سیاسی بیداری جنگِ عظیم کے بعد۔

عتیق صدیقی نے ''نگار'' کے لیے کافی مضامین لکھے۔ ہوتا یہ تھا کہ کبھی تو نیازؔ صاحب خود سے کوئی موضوع تجویز کرکے اس پر مضمون لکھنے کی ترغیب دیتے، بعض اوقات عتیق صدیقی خود ہی اپنی کسی تخلیق کو ''نگار'' کے صفحات کا حصہ بنانے کے لیے نیاز صاحب کو بھیج دیتے۔ مضامین لکھنے کے اس سفر کے دوران عتیق صدیقی نے 'نگار'' کے لیے کئی مضامین کے انگریزی سے اردو میں ترجمے بھی کیے۔ان تراجم کی قطع و برید نیازؔ صاحب بحیثیت مدیر رسالہ خود کیا کرتے تھے۔

انڈین ایئر فورس میں بھرتی

ستمبر 1943ءمیں عتیق صدیقی بطور ایک باوردی کلرک انڈین ایئر فورس میں بھرتی ہوگئے، باوجوداس کے کہ انھیں دوستوں اور عزیزوں کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا مگر اُن کا ارادہ تبدیل نہ ہوا۔ ابتدائی تین ماہ بطور ٹرینی لاہور میں گزارے جہاں انھیں فوج کے ڈسپلن اور ٹرن آؤٹ کی تربیت دی گئی اور اگلے تین ماہ انھوں نے حیدرآباد میں گزارے جہاں انھیں دفتری امور سے روشناس کرایا گیا۔ اس طرح چھ ماہ کا تربیتی کورس مکمل کرنے کے بعد اپریل 1944ء میں ان کی پہلی تعیناتی ایئر ہیڈ کوارٹرز، نئی دہلی میں ہوئی۔

ایئر فورس سے شعبۂ تعلقاتِ عامہ تبادلہ

اسی دوران ان کے ایک ساتھی نے برسبیلِ تذکرہ ان سے کہہ دیا کہ وہ ''انڈین آرمی پبلک ریلیشنز'' میں تبادلے کی کوشش کررہے ہیں۔ عتیق صدیقی نے استفسار کیا کہ یہ کون سا محکمہ ہے؟ تو ان کے دوست نے بتایا کہ یہ اخبار اور ریڈیو کا فوجی محکمہ ہے اور اس میں بیرونِ ملک جانے کے مواقع بھی ملتے ہیں۔ اُس زمانے میں میر مرتضیٰ علی اس کے سپرنٹنڈنٹ تھے۔ عتیق صدیقی کی خواہش پر ان کے دوست نے میر صاحب سے ان کی ملاقات کرادی۔ مگر میر صاحب کے بقول یہ کام تقریباً ناممکنات میں سے تھا کہ ایئر فورس سے آرمی میں تبادلہ ہو جائے مگر باوجود اس کے اگلے روز انھیں دفتر آنے کا کہا اور یہ کہ وہ اپنی پوری کوشش کریں گے۔ دوسرے دن عتیق صدیقی میر مرتضیٰ سے ملنے ان کے دفتر گئے جہاں ان کو میجر فیض (فیض احمد فیضؔ) سے ملوایا گیا۔ میجر فیض نے بھی کم و بیش وہی بات کی جو سپرنٹنڈنٹ صاحب پہلے کہہ چکے تھے کہ کام مشکل ہے۔ تاہم پانچ چھ ماہ کی بھاگ دوڑ کے نتیجے میں عتیق صدیقی انڈین ایئر فورس سے انڈین آرمی پبلک ریلیشنز میں آ گئے۔

ورودِ بغداد

ماہِ اپریل 1945ء میں نئے یونٹ کو جوائن کرتے ہی انھیں عراق کے دارالحکومت بغداد رپورٹ کرنے کا حکم ملا۔ دوسری جنگ عظیم اپنے فیصلہ کن اور آخری مراحل میں داخل ہو چکی تھی۔ اپنے اتحادیوں کی کامیابی کے لیے تمام قوتیں اپنا زور صرف کر رہی تھی۔ دوسری جانب برطانوی سامراج اپنی پوری صلاحیتوں کے ساتھ اجارہ داری قائم کیے ہوئے تھا۔ یہ جنگ اب تقریباً اختتام کو پہنچ رہی تھی۔ اپریل 1945ء میں بغداد پہنچنے کے چند گھنٹوں بعد عتیق صدیقی نے ریڈیو بغداد رپورٹ کی جہاں ان کی ملاقات فخری شہاب سے ہوئی جو ''رادیو بغداد'' (Radio Baghdad) کے ڈائریکٹر جنرل تھے۔

ریڈیو بغداد سے عتیق صدیقی روزانہ دوپہر اور سہ پہر کو ہندوستانی فوجیوں کے لیے خبریں اور رنگارنگ تفریحی پروگرام نشر کیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ انڈین آرمی پبلک ریلیشنز کے ماتحت ایک ہفتہ وار اخبار ''وطن'' بھی نکلتا تھا۔ یہ رومن رسم الخط میں چھپتا تھا۔ عتیق صدیقی اس اخبار کی غرض وغایت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''ہمارا ہفتہ وار اخبار 'وطن' 'عراق ٹائمز' کے پریس میں چھپتا تھا۔ ''وطن'' آٹھ صفحے کا ہفتہ وار اخبار تھا۔ اداریہ اور ادارتی نوٹ اس میں بالکل نہیں ہوتے تھے، صرف خبریں ہوتی تھیں۔ بیشتر جوانوں کے کھیل کود کے مقابلوں اور تفریحی مشاغل کی یا ان کی عام دلچسپی کی۔ تھوڑی بہت وطن کی غیر سیاسی خبریں بھی دی جاتی تھیں اور اس بہانے ہندوستان کے چار پانچ انگریزی روزنامے پابندی سے آتے تھے یہ روز کے روز نہیں بلکہ دوسرے تیسرے دن ہوائی جہاز سے ڈھیر کے ڈھیر آجاتے تھے۔'' (15)

انڈین آرمی پبلک ریلیشنز کا دفتری عملہ گیارہ بارہ افراد پر مشتمل تھا اور اس کے انچارج میجر عارف تھے۔ ''وطن'' اخبار کی اشاعت کے ساتھ ساتھ یہ عملہ دور اور نزدیک واقع فوجی کیمپوں کا دورہ بھی کرتا۔ مقصد ان کا یہ ہوتا تھا کہ خواہش مند فوجی جوان ریڈیو پروگرامز میں حصہ لے کر اپنی صلاحیتوں کا اظہار کریں۔ انہی خصوصیات کی بنا پر یہ محکمہ بطورِ خاص نوجوانوں میں خاصا مقبول ہو گیا تھا۔

بغداد سے تہران

ماہِ جون 1945ء میں قاہرہ (مصر) میں قائم مرکزی دفتر سے فوری تہران رپورٹ کرنے کے احکامات موصول ہوئے۔ بعداز دوپہر تہران ریلوے اسٹیشن کے انڈین فوجی اسٹاف نے پروٹوکول کے تحت ان کو ایک جیپ میں اس کیمپ تک پہنچادیا جو اُن کی وقتی قیام گاہ قرار دی گئی تھی۔ عتیق صدیقی اُسی شام اپنے نئے مقامِ تعیناتی "ادارۂ عمومی آرتش ہندوستان" (Indian Army Public Relations) کے دفتر رپورٹ کرتے ہیں۔

بغداد میں ریڈیو پروگرام کے علاوہ ہفتہ وار اخبار نکالنے کی بھی ذمے داری تھی جب کہ تہران میں اخبار والا جھنجھٹ بالکل نہ تھا۔ محض ایک ریڈیو پروگرام ہی تھا جو کہ روزانہ سہ پہر کو نشر ہوتا تھا اور جس کا دورانیہ محض ایک گھنٹا تھا۔ اس ریڈیو پروگرام کو عتیق صدیقی ترتیب دیتے تھے اور اس میں فرمائشی گانے، تفریحی پروگرام اور حالاتِ حاضرہ پر تبصرہ وغیرہ شامل ہوتا تھا۔

تہران سے قاہرہ

تہران میں معمول کی زندگی گزر رہی تھی کہ ایک دن دفتر میں ن م راشد نے ایک کاغذ عتیق صدیقی کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔ "حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد۔" "جاؤ قاہرہ کی بھی سیر کرلو۔" [16]

وہ اس وقت بغداد سے موصول ڈاک کا جائزہ لے رہے تھے۔ اس چٹھی میں لکھے احکامات کی رو سے انھیں فوری قاہرہ کے لیے عازمِ سفر ہونا تھا۔ عتیق صدیقی تہران کے چھوٹ جانے پر افسردہ تھے کیونکہ عربی کے مقابلے میں کسی حد تک فارسی ابجد اور بول چال سے واقف تھے۔ لہٰذا انھیں بغداد کے مقابلے میں تہران زیادہ موزوں لگا تھا مگر کرتے تو کیا کرتے، حکمِ حاکم مرگِ مفاجات۔

وسط اکتوبر 1945ء کی ایک صبح قاہرہ روانگی ہوئی اور شام میں المازہ ایئرپورٹ پر جہاز بخیر وعافیت اُتر گیا۔ قاہرہ آمد کے اگلے ہی روز اپنے کام یعنی ہفتہ وار اخبار "ہندوستان" کی ترتیب وطباعت کی ذمے داریاں سنبھال لیں جو کہ عربی ٹائپ میں شائع ہوتا تھا۔

عرب لیگ سے وابستگی

یکم اپریل 1946ء کو عتیق صدیقی ایک فوجی سے مصری شہری بنے اور عرب لیگ سے وابستہ ہوگئے۔ فوج میں ان کی ملازمت کا دورانیہ تقریباً ڈھائی سال رہا۔ آپ جب تک فوج میں تھے، پاسپورٹ اور ویزے کی ضرورت نہیں تھی مگر شہری بنتے ہی انھیں دونوں چیزیں درکار تھیں۔ عرب لیگ کے باعث بہت جلد انھیں پاسپورٹ اور ویزے کی سہولت حاصل ہوگئی۔ اس وقت مصر اور دیگر عرب ممالک سے دوسرے ملکوں کی افواج اور امدادی کارکنان کے

انخلا کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ جنگ اختتام پذیر ہوا چاہتی تھی، ایسے وقت میں عتیق صدیقی کا عرب لیگ سے وابستگی کا فیصلہ دانش مندی کی دلیل تھا۔ کیوں کہ کچھ عرصے میں ہندوستانی فوج کا بھی اپنے وطن جانا ٹھہر گیا تھا۔

وطن واپسی

عرب لیگ سے سبک دوشی کے بعد 24 /مارچ 1947ء کو عتیق صدیقی اپنے وطن ہندوستان لوٹ گئے۔ اگلے روز عرب لیگ کے نمائندگان کا وفد بھی دہلی پہنچ گیا۔ ابتدا میں عزام پاشا کی خواہش کے مطابق عتیق صدیقی نے بحیثیت عرب لیگ کے سیکریٹری جنرل اس کانفرنس میں شرکت کرنی تھی مگر بوجوہ ان کا نام بعد میں خارج کر دیا گیا۔

شادی

عتیق صدیقی 1950ء میں رشتۂ ازدواج سے منسلک ہوئے۔ ان کی اسما بیگم سے شادی، تقسیم کے بعد حالات اور بیگم کے خاندان سے متعلق نثار احمد فاروقی لکھتے ہیں:

> ''اگست 1950ء میں جب اُن کی عمر 36 سال تھی، اسما بیگم سے اُن کی شادی حیدر آباد میں ہوئی۔ اسما صاحبہ کا تعلق امروہہ کے عباسی خاندان سے ہے۔ وہ ڈاکٹر احسن عباسی کی پوتی ہیں۔ اُن کے والد محمد احمد عباسی مرحوم سابق ریاست حیدر آباد کے ضلع ورنگل میں ڈپٹی انسپکٹر آف اسکولز تھے۔ ادھر تقسیمِ ہند کے نتیجے میں شمالی ہندوستان کے بیش تر خاندان بٹ چکے تھے۔ مسلمان خاندانوں میں مناسب رشتہ ملنا ایک مسئلہ بن گیا تھا۔ ان حالات میں لکھنؤ میں یہ رشتہ طے ہوا۔ اسما بیگم اس وقت 17 برس کی تھیں اور عتیق صاحب عمر کے 36ویں برس میں داخل ہو چکے تھے لیکن یہ رشتہ ہوا اور کامیاب بھی رہا۔'' (17)

اولاد

عتیق صدیقی کی اولاد میں تین بیٹے عبدالرحمٰن جامی، سعدی عتیق، امیر خسرو اور ایک بیٹی کہکشاں عتیق ہیں۔ لڑکوں کے ناموں سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں قدیم فارسی شاعری سے شغف رہا ہے اور اس کے جابجا اشارے ہمیں ان کی تحریروں میں اشعار کی صورت میں یادورانِ گفتگو فارسی کے برمحل استعمال سے ملتے ہیں۔

جزوقتی مصروفیات

1961ء میں انجمن ترقیٔ اردو ہند (دہلی) کے سہ ماہی رسالے ''صبح'' کا اجرا ہوا تو عتیق صدیقی اس کے ایڈیٹر نامزد کیے گئے۔ آپ کی ادارت میں یہ پرچہ کافی پھلا پھولا اور نہایت تحقیقی مواد اس پرچے میں شائع ہوا۔ اس رسالے کا ''ظفر نمبر'' (بہادر شاہ ظفر) مضامین کے اعتبار سے ایک خاصے کی چیز تھا۔

عتیق صدیقی 1963ء میں انجمن سے باقاعدہ طور پر وابستہ ہوگئے۔ اور آلِ احمد سُرورؔ جو انجمن کے جنرل سیکریٹری تھے، ان کے اصرار پر ہفت روزہ اخبار ''ہماری زبان'' سے بحیثیت معاون مدیر اور ادارتی کمیٹی کے رکن خدمات انجام دیتے رہے۔ اس دوران آپ کے کئی مقالے اور مضامین بھی ''ہماری زبان'' میں شائع ہوئے۔ انجمن سے عتیق صدیقی کو ایک طرح کی والہانہ عقیدت تھی۔ آپ کی ابتدائی تین کتب بھی انجمن ہی سے شائع ہوئیں۔ 1979ء سے 1982ء تک آپ انجمن ترقیٔ اردو، نئی دہلی کے رکنِ عام رہے۔

1969ء میں مختصر سی مدت کے لیے ''غالب اکیڈمی'' بستی نظام الدین اولیا میں بطور سیکریٹری کے کام کیا مگر یہاں سے بھی جلد مستعفی ہوگئے۔

1973ء میں حیات اللہ انصاری[18] کے ہمراہ ایک ہفتہ وار اخبار ''سب ساتھ'' کا اجرا بھی کیا، آپ اس کے معاون مدیر تھے، لیکن بدقسمتی سے یہ ہفتہ وار اخبار زیادہ عرصہ تک نہیں نکل سکا۔

وفات وتدفین

محمد عتیق صدیقی بروز اتوار 7 /فروری 1982ء بمطابق 14 /ربیع الثانی 1402ھ کو صبح تقریباً ساڑھے تین بجے ہولی فیملی اسپتال (اوکھلا) نئی دہلی میں اپنے خالقِ حقیقی سے جاملے۔ عارضۂ قلب کے سلسلے میں آپ یہاں چھ سات روز سے موت اور زندگی کی کیفیت میں مبتلا تھے۔ خلیق انجم، عتیق صدیقی کی زندگی کی آخری مصروفیات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''یکم فروری کو وہ انجمن کے دفتر آئے تھے۔ تقریباً تین گھنٹے اُنھوں نے دفتر میں گزارے۔ اس دن پاکستانی مہمان ڈاکٹر فرمان فتح پوری اردو گھر میں موجود تھے۔ عتیق صاحب مرحوم بہت دیر تک فرمان صاحب سے اپنے پاکستان جانے کے بارے میں گفتگو کرتے رہے۔ اُن کا خیال تھا کہ وہ اس سال دسمبر میں ایک مہینے کے لیے پاکستان جائیں گے۔ اسی دن شام کو عتیق صاحب کو دل کا دورہ پڑا اور دوسرے دن وہ اسپتال میں داخل کردیے گئے جہاں ۷/ فروری کی صبح وہ ہم سے ہمیشہ کے لیے جُدا ہوگئے۔''[19]

آپ جامعہ ملیہ (ہند) کے قبرستان (نزد عظیم ڈیری) جو اولڈ بوائز کا قبرستان کہلاتا ہے، میں سپردِ خاک کیے گئے۔([20])

(References)

[1] ۔ چندن، گربچن، 1992ء، جامِ جہاں نما: اردو صحافت کی ابتدا، مکتبۂ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ص 29

[2] ۔ Guide to the records in the National Archives of India، حصہ سوم، ص 450

[3] ۔ ارتضیٰ کریم، پروفیسر، 2010ء، دہلی اردو اخبار۔ 1841ء، شعبۂ اردو، دہلی یونی ورسٹی، دہلی، ص 346

[4] ۔ سیّد محمد اشرف، اختر الدولہ، جون 1888ء، اختر شاہنشاہی، مطبع اختر، پریس لکھنؤ۔

[5] ۔ چندن، گربچن، 1992ء، جامِ جہاں نما: اردو صحافت کی ابتدا، مکتبۂ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، ص 15

[6] ۔ فوق، محمد الدین، اکتوبر 1912ء، اخبار نویسوں کے حالات، مطبوعہ رفاہِ عام اسٹیم پریس، لاہور۔

[7] ۔ صابری، امداد، سنہ ندارد، تاریخ صحافتِ اردو، جلد دوم کا پہلا حصہ، مطبوعہ جدید پرنٹنگ پریس، دہلی، ص 12

[8] ۔ صدیقی، عتیق، نومبر 1981ء، "بیگم حسرت موہانی اور اُن کے خطوط"، مکتبۂ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، نومبر 1981ء، ص 6

[9] ۔ گیا، ہندوستان کی ریاست (بہار) کا ایک شہر ہے جسے اب صوبے کا درجہ حاصل ہے۔

[10] ۔ صلاح الدین، ڈاکٹر، 2015ء، "دِلّی والے"، جلد سوم، اردو اکادمی دہلی، 2015ء، ص 218

[11] ۔ صدیقی، عتیق، 1974ء، "یادوں کے سائے"، مکتبۂ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی، 1974ء، ص 62

[12] ۔ ایضاً، ص 62-63

[13] ۔ ایضاً، ص 69

[14] ۔ ایضاً، ص 73

[15] ۔ ایضاً، ص 27-28

[16] ۔ ایضاً، ص 102-103

[17] ۔ صلاح الدین، ڈاکٹر، "دِلّی والے"، جلد سوم، ص 219

[18] ۔ حیات اللہ انصاری 1912ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ آپ ایک معروف صحافی، ادیب اور سیاست دان کے طور پر جانے جاتے ہیں۔

[19] ۔ ہفت روزہ "ہماری زبان"، دہلی (22/ فروری تا 15/ مارچ 1982ء)

[20] ۔ صلاح الدین، ڈاکٹر، "دِلّی والے"، جلد سوم، ص 223